پھر کہتے ہیں۔

جس کسی کو خراجی زمین سے قطائع دئے جائیں تو پیداوار کا دسواں، پندرھواں، بیسواں حصہ بارش سے بھی زیادہ یا خراج بہر حال جو مناسب ہو خلیفہ مقرر کرے۔

آگے چل کر کہتے ہیں:

مجھے امید ہے کہ اس بارے میں خلیفہ جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گا اس کے لئے وسعت اور گنجائش ہے۔

ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مفادِ عامہ کے پیش نظر آپ جو مناسب سمجھیں اس میں آپ کو پورا اختیار ہے۔[1]

حاصل یہ ہے کہ حکومت الٰہی میں زمین جائداد نہ ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لئے تھی اور نہ کاشتکاروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مفت خوروں کا طبقہ پیدا کرنے کے لئے بلکہ یہ ساری چیزیں پیداوار حاصل کر کے مفاد عامہ کی راہوں میں صرف کرنے کے لئے اور خلق خدا کی خدمت کے لئے تھیں اس لئے قانون اور ٹیکس کے معاملات میں خلیفہ کے اختیارات وسیع تھے مذکورہ تمام تصریحات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ موجودہ زمینداری اور جاگیرداری کی صورت قطائع سے بالکل مختلف ہے۔ جاگیردار اور زمیندار ایک وسیع حصہ زمین کا مالک ہوتا ہے کاشتکار اور مزدور اس پر کام کرتے ہیں اور مالکِ زمین بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ان کے منافع سے عیش و آرام کرتا ہے۔

"قطائع" سے اس قسم کی تنظیم کے لئے کوئی جواز نہیں نکل سکتا بلکہ متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ ایسے نظام کو سختی کے ساتھ ختم کیا گیا اور ایسا کرنے میں مفادِ خلق کے سوا کوئی دوسرا جذبہ یا مصلحت کارفرما نہ تھی۔ (جاری ہے)

---

[1] الخراج ص ۵۹ و ص ۶۰

یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نبی عربی)	قاضی زین العابدین	غیر مجلد ۲۵ روپے	مجلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت بنی امیہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد ہشتم (خلافت عثمانیہ)	مفتی انتظام اللہ شہابی	غیر مجلد ۵۰ روپے	

پہلی قسط

مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برگس

ترجمہ: جناب سید مبارزالدین صاحب رفعت ایم۔ اے

ابھی ایک نسل اور گزرے تب کہیں جاکر کچھ دنوں کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے گا کہ فن تعمیر پر اسلامی دنیا نے کیا کیا احسان کیے ہیں۔ ہمارے موجودہ علم کا جہاں تک تعلق ہے اسلامی فن تعمیر کے بہت سے اہم پہلوؤں کے بارے میں اتنے شبہات باقی ہیں کہ کسی جوشیلے طرفدار ہی کو اپنی رائے پر پورا پورا اعتماد ہو سکتا ہے۔ بدقسمتی سے حال کا بہت سا تحقیقاتی کام جسے غیر یقینی نقاط پر روشنی ڈالنا چاہیے تھا، ہمارے آگے نزاعی بحثوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بحثیں اسلامی فن تعمیر کی پختگی کے دوروں کی خصوصیت سے کم ہی متعلق ہیں اور ہماری دنیا کے فن تعمیر کے ارتقا پر اس کے اثرات کا ذکر تو ان میں بہت ہی کم ہے۔ بلکہ یہ تحقیقاتی کام زیادہ تر اسلامی فن تعمیر کی اصل اور اس کی ابتدائی عمارتوں کے حال پر مشتمل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تحقیقاتی کام اس سوال سے راست تعلق رکھتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر نے بنی نوع انسان کو ورثہ میں کیا دیا ہے کیونکہ ہم اسلام کی میراث کا اس وقت تک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے جب تک خود

اسلام کے پاس اپنی کسی حقیقی چیز کے ہونے کا کوئی ثبوت ہمیں نہ مل جائے۔ بہ الفاظ دیگر کہا جاتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں اتنی بہت سی چیزیں غیر مسلم قوموں سے لی گئی ہیں کہ بعض عالموں نے واقعی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں نے تعمیری شکلیں مستعار لی ہیں اور ان کا اپنا کوئی فن تعمیر نہیں۔ اس بنیادی نقطۂ نظر کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسلامی فن تعمیر کی ابتداء اور اس کی ماہیت کا ایک عام خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔

آدھی صدی کے اندر عرب، حجاز سے لے کر مغرب میں ہرکولس کے ستونوں (Pillars of Herculus) تک اور مشرق میں ہندستان کی سرحدوں تک صحرائی بگولے کی سی تیزی سے پھیل گئے اور انہوں نے پہلے سے متمدن بہت سے ملکوں کو فتح کر لیا۔ ان کی سلطنت اتنے وسیع علاقے پر پھیل گئی تھی کہ اتنا وسیع علاقہ رومی سلطنت کو اپنے انتہائی پھیلاؤ کے زمانے میں بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ان علاقوں میں ایسی بہت سی قومیں آباد تھیں جن کا فن تعمیر رومیوں کے فن تعمیر سے مختلف اور بعض صورتوں میں اس سے بھی کہیں زیادہ قدیم تھا۔

قرون وسطیٰ کے مغربی فن تعمیر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ فن تعمیر بڑی حد تک رومی ہے۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس کی ہر چیز ایران یا آرمینیا سے لی گئی ہے۔ اب چاہے کوئی اس اختلاف خیال میں کسی گروہ کا ساتھ دے، پر اب یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ آخر الذکر مکتب خیال ہماری سنجیدہ توجہ کا طالب ہے۔ آمینیا، عراق (مسوپٹیمیا) اور ترکستان میں جو غیر معمولی دریافتیں ہوئی ہیں اور جو اگرچہ ہمارے سامنے نزاعی صورت میں پیش کی گئی ہیں، ان دریافتوں نے ہر چیز کے رومی ہونے کے نقطۂ نظر پر ہمارے اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے۔ کلیسا نے صدیوں تک یہ عقیدہ پھیلایا کہ ہماری رومانسیکو (Romanasque) اور گوتھک عمارتیں شہنشاہی روما کے کھنڈروں پر ہی مبنی ہیں یا پھر ہمارے اس فریب تخیل کے ذمہ دار نشاۃ ثانیہ کے برخود غلط 'انسانیت دوست' ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ چاہے وجہ کچھ بھی ہو۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اب ہمیں مشرق کی طرف جانب دارانہ نظر سے دیکھنا چاہیے اور سب سے پہلے ہمیں 'مشرق' کو ایک واحد علاقہ سمجھنے کی عادت بھی ترک کر دینی چاہیے۔ ہم پر روما کے جو احسان ہیں، ان میں شاید ہی کسی کو سنجیدگی سے کوئی شبہ ہو لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس بات کا اندازہ لگایا

جائے کہ ہم کس حد تک اس کے ممنون احسان ہیں۔

عرب فاتحوں نے جو علاقے فتح کیے تھے ان میں شام، آرمینیا کا ایک حصہ اور شمالی افریقہ کا آباد علاقہ جس میں مصر بھی شامل تھا یہ سب کے سب علاقے مشرقی رومی مملکت سے حاصل کیے گئے تھے۔ اسپین وسغوطیوں سے چھینا گیا۔ لیکن اس سے پہلے یہ علاقہ رومی صوبہ تھا۔ عراق (مسوپٹمیا) سے لے ترکستان اور افغانستان تک کے ملک خسرو دوم کی پچھلی ساسانی مملکت میں شامل تھے۔ اس پورے وسیع وعریض علاقے میں آرمینیا اور شام کی مشرقی سرحد تک نصرانیت کے قدم آچکے تھے۔ اور ہمیں (جنوبی عرب) کے علاقے سنا میں چھٹی صدی عیسوی کا ایک کلیسا تک پایا جاتا تھا۔[1] اس طرح فاتحوں کو اپنے مفتوحہ علاقے کے ہر صوبے میں آسانی کے ساتھ ماہر تعمیر کار مل گئے اور انہیں اپنے پیش رو قبطیوں اور وسغوطی نصرانیوں کی طرح بہت سی عمارتیں بھی مل گئیں جن کو فاتحوں نے آزادی کے ساتھ پتھر کی کانوں کی طرح استعمال کیا۔ اس ناقابلِ تردید حقیقت کا بڑا چرچا ہوا ہے، لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عربوں کو اپنی مملکت کے مشرقی صوبوں میں ایسے مقامی صناع بھی ملے جو ایسی طرز میں عمارتیں بناتے تھے جو رومیوں کی طرز سے بالکل مختلف تھی اور اگر ہم بعض ماہروں کی بات مانیں تو ان ہی صناعی نے بازنطینی تعمیر کاروں کو وہ تمام باتیں سکھائیں ہیں جن کی وجہ سے بازنطینی کام رومی کام سے مختلف نظر آتا ہے۔

پہلے عرب فاتحوں میں تعمیری کام کی مہارت پائی جاتی تھی اور نہ وہ اس کا ذوق رکھتے تھے یہی نقطہ نظر عام ہے اور درست بھی ہے۔ اس پر جھگڑنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس وقت کے حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ان میں اسی بات کی توقع کرنی چاہئے اس طرح کی فتح سپاہیوں کی ایسی نسل ہی کو نصیب ہو سکتی تھی جن کی ہمتوں کو دینی جوش نے بلند کر دیا تھا اور جن کے وقت کا بڑا حصہ لڑائیوں اور عبادتوں میں بٹا ہوا تھا اس کے سوا یہ لوگ شہروں میں رہنے والے لوگ نہ تھے بلکہ خانہ بدوش بدوی تھے اور جب انہیں میدان کارزار سے فرصت ملی اور انھوں نے حکومت کا کاروبار سنبھالا تب بھی تعمیری صنعتوں میں انھیں ناگزیر طور پر مقامی صناعوں ہی سے یا (اور یہ اہم بات ہے) ایسے صناعوں سے جو ایک مفتوحہ ملک سے دوسرے مفتوحہ ملک میں درآمد کیے گئے تھے، کام لینا پڑا۔ اس طرح یہ معلوم ہے کہ آرمینیا کے سنگ ساز نہ صرف مصر میں بلکہ اسپین میں

[1] بی اینڈ ای، ایم وش شا، عربک اسپین (لندن ۱۹۱۲ء) ص ۱۲۲ B & E. M. WISHAW, Arabic Spain

بھی کام پر لگائے گئے تھے ۔ یہی نہیں بلکہ غالباً اسی ملک کے سنگ سازوں سے فرانس میں نویں صدی کے کلیسا جرمگنی دس پرس (Germigny - des Pres) کی تعمیر میں کام لیا گیا تھا جس میں بہت سی اسلامی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ [۱]

فتح کے ابتدائی سالوں میں تعمیر کاری سے عربوں کی ممکنہ ناواقفیت کے باوجود اسلامی فن تعمیر کے بارے میں یہ حقیقت بہت نمایاں اور نا قابل انکار دکھائی دیتی ہے کہ اس نے تمام ملکوں میں اور تمام صوبوں میں اپنی واضح انفرادیت کو برقرار رکھا اگرچہ اس کہ ماخذ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے اس میں کچھ ایسی بات پائی جاتی تھی جو صناعی کی مقامی مکاتیب کے کام سے جو فنی طور پر اس کو عالم وجود میں لانے کا باعث ہوتا تھا، اسے امتیاز بخشتی تھی۔

اپنی انفرادی خصوصیت رکھنے والی ایک دوسرے سے مختلف بے شمار طرزوں کی تعمیر کاریوں کو ایک دوسرے میں کھپانے اور انہیں گھلا ملا کر ایک طرز ایجاد کرنے والا عامل غالباً دین اسلام تھا کیونکہ عربوں نے اپنے ابتدائی دنوں میں جو عمارتیں بنائیں وہ بڑی حد تک مسجدیں اور محل تھے اور بعد کی صدیوں کا بہت سا اہم تعمیری کام مسجدوں اور دوسری مذہبی عمارتوں پر مشتمل رہا جیسے مدرسے اور خانقاہیں جن کے ساتھ مسجدیں بھی ہوتی تھیں، عربوں کی مخصوص اور اہم ترین عمارت مسجد تھی۔ مختلف مقامات کے لحاظ سے اس کی شکل و صورت میں تھوڑا بہت اختلاف ضرور پایا جاتا تھا لیکن اس کی اہم خصوصیات ہمیشہ برقرار رہتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ میں اسلامی دنیا کے تمام حصوں سے آنے والے حاجیوں کے اجتماع نے مسجد کی شکل کو معیاری بنانے میں بڑا حصہ لیا ہے کیونکہ اپنے طویل صفر میں حاجی جن جن شہروں سے گزرتا وہاں کی مقامی مسجدوں میں نماز ضرور ادا کرتا، اور اگر وہ کوئی تعمیر کار صناع یا معمار ہوتا تو ان کے نقشوں پر ضرور دھیان دیتا۔

۶۲۲ء میں محمدؐ نے مدینہ میں جو اولین مسجد بنوائی وہی بعد کی تمام مسجدوں کے لیے نمونہ بنی۔ یہ عمارت ایک مربع احاطہ تھی اور اسے اینٹ اور پتھر کی دیواروں سے گھیرا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ غالباً شمالی حصہ تھا، اور جہاں رسول اللہؐ نماز کی قیادت فرماتے تھے، مسقف تھا یہ چھت غالباً کھجور کی ٹہنیوں کے ہوتے تھے ان پر مٹی ڈالی جاتی تھی اور انہیں کھجور کے تنوں سے سہارا دیا جاتا

---

[۱] جے اسٹرائزی گودسکی، نصرانی کلیسا کے آرٹ کی ابتداء، (آکسفورڈ ۱۹۲۳ء۔ ص ۶۴)

تھا۔ نمازیوں کی جماعت شمال کی طرف منہ کر کے بیت المقدس کے متبرک شہر کی سمت میں سجدہ ریز ہوتی تھی اور اس قبلہ گاہ کی کسی نہ کسی طرح نشاندہی کی گئی تھی۔ ۶۲۴ء میں نماز کی سمت بیت المقدس کی جگہ مکہ کی طرف پھیر دی گئی یعنی سمت (مدینہ کی صورت میں) شمال سے جنوب ہو گئی۔ ایسی ابتدائی عمارت کے لیے کہیں اور سے تعمیری خصوصیات کے مستعار لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کے لیے کسی قسم کی تعمیری خصوصیات سرے سے درکار ہی نہ تھیں۔

اس کے بعد دوسری مسجد عراق (مسوپٹیا) کے علاقے میں بمقام کوفہ ۶۳۹ء کے لگ بھگ تعمیر ہوئی۔ اس کا چھت مرمر کے ستونوں پر اٹھایا گیا۔ یہ ستون حیرہ میں ایرانی بادشاہوں کے ایک پچھلے محل سے لائے گئے تھے۔ یہ مسجد بھی مربع تھی۔ لیکن اسے دیوار کی جگہ خندق سے گھیرا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی مسجد عمر ابن عاص نے فسطاط (قاہرہ) میں ۶۴۲ء کے لگ بھگ تعمیر کرائی تھی۔ اس کا نقشہ بھی مربع تھا اور کہتے ہیں کہ اس میں صحن نہ تھا۔ اس میں ایک نیا عنصر بھی داخل کیا گیا تھا۔ یہ ایک اونچا سا منبر تھا۔ پھر چند سالوں کے بعد امام کو مجمع سے محفوظ رکھنے کے لیے مقصورہ بنایا گیا۔ کہتے ہیں مینار اسی صدی کے ختم پر نمودار ہوئے۔ اور قبلہ نما محراب اس کے کچھ دنوں بعد نمودار ہوئے، اس طرح نو دس سالوں کے اندر اندر مدینہ کی پہلی مسجد کی عمارت سے جامع مسجد کی تمام لازمی خصوصیات نے ارتقا پایا۔ جزئی اضافے ایوانات (واحد ایوان) تھے یہ ایوانات سایہ دار دالان اور چھتے تھے جو صحن کو گھیرے ہوئے تھے اور لوگوں کو دھوپ سے بچاتے اور وضو کے لیے سہولت بخشتے تھے۔ اس مختصر سی فہرست میں تمام عہدوں کی مسجد کے دینی فرائض کے لوازم آ گئے ہیں۔

جن عمارتوں کا اوپر ذکر ہوا ان میں سے اب ایک بھی اپنی اصلی شکل وصورت پر قایم نہیں۔ اب تو مسلسل تبدیلیوں کی وجہ سے ان کے نقشے تک بدل گئے ہیں لیکن نقشہ ہی اصل چیز ہے کیونکہ ابتدائی مسجد مشکل سے عمارت کہلا سکتی تھی اور جن معنی میں ہم تعمیری کام بولتے ہیں اس کا اطلاق تو کسی طرح بھی اس پر نہ ہوتا تھا تاہم ایم۔ فان۔ برچم کا خیال ہے [۱] کہ اس ابتدائی مسجد کے نقشے کی اصل بھی ابتدائی نصرانی کلیسا ہی نے سجھائی تھی اس کا صحن رومی عمارتوں کے وسطی بے چھت صحن سے لیا گیا، مرکزی ایوان کلیسا کی اصل عمارت سے لیا گیا، مقصورہ کلیسا کے مشرقی حصے

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مقالہ فن نمبر